اپنی آئندہ نسلوں کو دعا گو نسلیں بنا دیں

حضور کی تین بابرکت رؤیا صالحہ کا ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ / جنوری ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

مومن کا اپنی انفرادی زندگی میں بھی اور اپنی اجتماعی زندگی میں بھی دعا کے ساتھ ایک ایسا ہی رشتہ ہے جیسا زندگی کا سانسوں کے ساتھ ہوتا ہے یا خون کی گردش کا دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو طبعاً خود بخود جاری وساری رہتا ہے اور مومن کو یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں پڑا کرتی کہ تم اپنے ہر کام میں، ہر مشکل میں، ہر ضرورت میں دعا کا سہارا لو۔

طبعی طور پر سب سے پہلے خیال دعا ہی کی طرف جاتا ہے خواہ کوئی خوف پیدا ہو یا کوئی امید ہو۔ کسی چیز کی ضرورت پیش آئے یا کسی خطرے سے بچنے کا خیال ہو، ہر صورت میں، امید ہو یا بیم، خوف ہو یا رجاء، دعا ہی ہے جو سب سے پہلے مومن کے ذہن میں اولین سہارے کے طور پر ابھرتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ملفوظات میں اور تحریروں میں جو روشنی ڈالی ہے ایک بہت ہی ضخیم مضمون ہے اور جماعت کو چاہئے کہ خصوصیت کے ساتھ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے تعلق میں تعلیمات کا مطالعہ کیا کریں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ دعا کے مضمون پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں سے الگ منتخبہ حصے دعا کے عنوان کے تابع شائع ہو جانے چاہئیں تا کہ بکثرت احباب جماعت بھی اور دوسرے لوگ

بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

پہلے بھی میں نے بارہا اس بات کا ذکر کیا ہے تمام دوسرے بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے جو ماضی میں گزرے ہیں، بڑے بڑے اعلیٰ مقامات تک پہنچے بہت ہی قرب الٰہی کی منازل انہوں نے طے کیں لیکن ان سب کی کتب میں دعا سے متعلق ایسے عارفانہ نکات آپ کو نہیں ملیں گے جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں وہ میسر آتے ہیں۔

دعا کا اسباب سے جو رشتہ ہے اس کے متعلق بھی میں بارہا روشنی ڈال چکا ہوں۔ دعا مسبب الاسباب ہے اور ہر سبب سے پہلے ہونی چاہئے کیونکہ وہ لوگ جو پہلے سبب کی طرف یعنی دنیا کا ذریعہ اختیار کرنے کی طرف جھکتے ہیں بعد میں دعا کی طرف مائل ہوتے ہیں ان کی دعائیں اسی حد تک بے فیض رہ جاتی ہیں اگر ایک انسان اپنے دوستانہ تعلقات میں اس بات کا مشاہدہ کرے تو اس کو اپنے عام روزمرہ کے تجربے میں بھی یہ بات دکھائی دینے لگے گی اور اس کا جو عارفانہ نکتہ ہے وہ سمجھ آ سکتا ہے۔ ایک دوست جس کو جب ضرورت پیش آتی ہے، پہلے وہ دوسروں کی طرف بھاگتا ہے اور جب ہر طرف سے مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے پھر آپ کی طرف آتا ہے اس کا ایک تعلق آپ سے ضرور ہے لیکن ویسا نہیں جیسا اس شخص کا جو ہر ضرورت کے وقت سب سے پہلے آپ کا دھیان کرتا ہے اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہی رشتے بچوں اور ماؤں کے درمیان، بچوں اور باپوں کے درمیان قائم ہوتے ہیں جو دوسرے انسانی رشتوں سے اس تعلق کو ممتاز کر دیتے ہیں۔

پس سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے یہ امتیازی تعلق قائم ہونا چاہئے کہ ہر ضرورت کے وقت اور ہر خوف سے بچنے کی خاطر سب سے پہلے دھیان خدا تعالیٰ کا ذہن میں آئے اور بعد میں اسباب کی طرف طبیعت متوجہ ہو۔ اسباب کی طرف طبیعت متوجہ ہونے کے متعلق یہ نکتہ ضرور ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ہمارا خدا تمام کائنات کا خدا ہے روحانی دنیا کا بھی وہی خدا ہے اور جسمانی دنیا کا بھی وہی خدا ہے اس لئے اس سے ہم مستغنی نہیں ہو سکتے۔ دعا اصل ہے، دعا ہی کے ذریعے ہم خدا سے تعلق جوڑتے اور اس سے مدد چاہتے ہیں مگر جو ذرائع اس نے بنائے ہیں، جو اسباب کی دنیا خود اس نے تخلیق فرمائی ہے، اس دنیا سے مستغنی نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا خدائی کا دعویٰ ہے۔ گویا انسان اپنے آپ کو خدا کی تخلیق کے بعض حصوں سے بالا سمجھنے لگ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی

کائنات اب لازم ہے کہ میرے تابع چلے۔ مومن کے تابع وہ کائنات چلائی جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن دعا کی وجہ سے اور خدا سے تعلق کی وجہ سے اسباب سے مستغنی ہونے کی وجہ سے نہیں۔ پس جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان چیزوں سے بالا ہو چکے ہیں اور اب ہمیں ذرائع اختیار کرنے کی ضرورت نہیں وہ ویسے ہی جاہل اور مشرک ہیں جیسے وہ لوگ جو دعا کی احتیاج سے بے خبر ہیں، دعا کی ضرورت سے بے خبر ہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ کی کائنات میں، اس کی تخلیقات میں کسی ایک حصے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ مالک ہے اور مالک کل ہے اس لئے جیسے روحانی ذرائع اس کی ملکیت ہیں اسی طرح جسمانی ذرائع بھی اسی کی ملکیت ہیں اور دونوں پر انحصار اس رنگ میں کرنا کہ بیک وقت ہوتے ہوئے بھی دعا کو اولیت ہو اور اپنے ایمان اور اپنے یقین میں اصل انحصار دعا پر ہو۔ یہ ہے وہ مومنانہ شان جس کی قرآن کریم ہمیں تعلیم دیتا ہے اور انبیاء کی مثالیں پیش کرتے ہوئے مختلف واقعات بیان کرتے ہوئے ہمارے سامنے یہ مضمون کھولتا چلا جاتا ہے کہ دعا کو اوّلیت ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسباب کا اختیار کرنا لازمی ہے۔ یہاں تک کہ خدا کا کوئی برگزیدہ نبی بھی اسباب کی پیروی سے مستغنی قرار نہیں دیا گیا اور نمونے کے طور پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی عظیم الشان خوشخبریوں کے باوجود اسباب سے استفادہ کرتے ہوئے دکھایا گیا اور کسی ایک موقعہ پر بھی تاریخی لحاظ سے یہ بات نظر نہیں آتی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ مجھے اسباب کی ضرورت نہیں۔ ایسے مواقع ممکن ہے بارہا پیش آئے ہوں اور میرا ایمان ہے کہ آئے ہوں گے کہ جب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہ سمجھا ہوگا کہ اسباب کی پیروی کا وقت نہیں ہے۔ اسباب کی پیروی کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی اور اس وقت کلیۃً انحصار دعا پر ہی کیا ہوگا۔ ایسے مواقع کی تفاصیل ممکن ہے تاریخ میں تلاش کرنے سے مل بھی جائیں لیکن جہاں تک میرا علم ہے ایسے واقعات اس طرح بیان نہیں ہوئے کہ گویا آنحضرت ﷺ نے خود اس بات کو ظاہر فرمایا ہو کہ فلاں موقعہ پر میں نے اسباب کو اختیار کرنے سے اجتناب کیا یہ یقین کرتے ہوئے کہ یہ وقت صرف دعا کا ہے اور اسباب کا نہیں لیکن میں اس لئے یہ اندازہ کر رہا ہوں کہ روزمرہ کی مومن کی زندگی میں بھی ایسے تجربات آتے ہیں کہ جب دعا کے سوا اور کوئی چارہ ہوتا ہی نہیں اور اسباب اگر دکھائی بھی دیں تو بالکل بے حقیقت اور بے معنی اور بے نتیجہ نظر آتے ہیں یا اسباب کی پیروی سے انسان عاجز آچکا ہوتا ہے اور کوئی اور راہ باقی نظر نہیں آتی۔ اس

وقت پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ اسباب کو کلیۃً ترک کر دیا جائے اور خالصۃً دعا پر انحصار کیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں بھی ایسے واقعات ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک مثال کے طور پر آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ جب ایک بیماری نے ایسی شدت اختیار کی اور ایسی ضد کے ساتھ چمٹ گئی کہ ہر قسم کی دوائیں ناکام رہیں اور جس تسکین کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدمت دین کے لئے ضرورت تھی وہ میسر نہیں آ رہی تھی۔ کوئی مضمون لکھنا ہے تو شدید تکلیف کی وجہ سے اس طرف توجہ مائل نہیں ہو رہی اس وقت آپؑ نے ہر دوسرے ذریعے کو ترک کرتے ہوئے خالصۃً دعا پر انحصار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں اب صرف تجھ سے مانگتا ہوں اور معاً اس بیماری کے ازالے کے اسباب اس طرح پیدا ہوئے جیسے غیب سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کا کوئی ظاہری ذریعہ نظر نہیں آتا۔ ایسے بعض تجارب مجھے خلافت سے پہلے بھی ہوئے اور اب بھی بعض دفعہ ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ جب اسباب کو اختیار کرنے کا یا وقت نہیں ہوا کرتا یا انسان ویسے ہی اسباب اختیار کرتے تنگ آ چکا ہوتا ہے اور آدمی سمجھتا ہے اب ان میں کچھ نہیں ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ ''ان تلوں میں تیل نہیں رہا'' اب ان سے کسی فیض کی امید بے کار ہے۔

گزشتہ ہفتے کے اندر کچھ ایسی تکلیف دہ خبریں، خصوصیت کے ساتھ دو ایسے اہم خطرات کی نشاندہی ہوئی جن کا تعلق پاکستان سے تھا اور اگرچہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہوا ہے، ایک عاجزانہ رنگ میں ہم دعا کے ساتھ اسباب کو ضرور اختیار کرتے ہیں، میں عموماً ایسے مواقع پر ساری جماعت کو مطلع کرتا رہا ہوں اور بعض کوششوں کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں مگر ان دو مواقع پر خدا کی تقدیر تھی شاید کہ دل اسباب سے اتر گیا اور اچانک دل اسباب کی پیروی سے بیزار ہو گیا۔ تب میں نے خدا سے عاجزانہ دعا کی کہ اب تو مجھے معاف فرما لیکن میں اسباب کو اختیار نہیں کروں گا اب خالصۃً تجھ سے امید ہے اور تجھ سے ہی دعا کرتا ہوں، اپنے فضل سے دعاؤں کے ذریعے اسباب پیدا فرما دے اور ان حالات کو بدل دے۔ چنانچہ حیرت انگیز طور پر خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کیا اور قطعی طور پر کوئی دنیاوی سبب اختیار کئے بغیر ایسے حیرت انگیز رنگ میں وہ تکلیفوں کا خوف ٹل گیا بلکہ وہ تکلیفیں جو خوف سے آگے نکل کر عملی شکل میں ظاہر ہو چکی تھیں ان کے شر سے جماعت کے احباب محفوظ رہے اور ایسی اس کے نتیجے میں دل کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تسکین نصیب ہوئی کہ جس کی مثال دنیا میں شاذ ہی ملتی ہے۔ کل بھی

اسی قسم کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے رات رؤیا میں ایک خوشخبری دی اور وہ خوشخبری میں چاہتا ہوں جماعت کو آج بتا دوں کیونکہ وہ دراصل جماعت کی ہی خوشخبری ہے۔

میں نے دیکھا کہ کثرت کے ساتھ صرف پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا میں دوسری جگہوں پر بھی لوگوں میں جماعت کی نصرت کی توجہ پیدا ہو رہی ہے اور جس طرح طوفان میں موج در موج لہریں اٹھتی ہیں، اس طرح لکھو کھہا آدمی جن کا جماعت سے تعلق نہیں ہے وہ جماعت کی امداد کے لئے دوڑے چلے آرہے ہیں۔ یہ نظارہ مسلسل اسی طرح رؤیا میں دکھائی دیتا رہا اور بعض دفعہ بعض ملکوں کی بھی نشاندہی ہوئی اور اس وقت مجھے تعجب بھی ہوا کہ بظاہر تو ان کے ساتھ ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں مثلاً امریکہ کے مغرب سے بھی جو سان فرانسسکو اور لاس اینجلس وغیرہ کا علاقہ ہے۔ مغربی ساحل، کیلیفورنیا سٹیٹ ہے جو زیادہ تر مغرب میں شمالاً جنوباً چلتی ہے اس طرف سے بھی لاکھوں آدمی جماعت کی مدد کے لئے دوڑے آرہے ہیں اور باہر کی دنیا سے بھی۔ مشرق میں بھی یہی نظر آرہا ہے اور پاکستان میں بھی یہ لہریں اٹھ رہی ہیں۔ اس نظارے کے بعد جو بالعموم ایک تموج کی شکل میں تھا یعنی انسان دکھائی نہیں دے رہے تھے لیکن یوں معلوم ہوتا تھا کہ موج در موج مخلوق خدا جماعت کی مدد کے لئے متوجہ ہو رہی ہے۔ بلکہ ایک دفعہ یوں لگا کہ جیسے میں کہوں کہ بس کافی ہوگئی بس کرو اتنی ضرورت نہیں۔ لیکن لہریں پھر اٹھتی ہوئی دوبارہ ساحل سے ٹکرا کر جس طرح چھلک کر باہر آپڑتی ہیں، اسی طرح میں نے ان کو دیکھا۔ تو بیک وقت یہ احساس ہونے کے باوجود کہ یہ انسانی مدد ہے، نظارہ وہ موجوں کا سارہا، جب رؤیا سے آنکھ کھلی تو اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام تعبیر کے طور پر میری زبان پہ جاری تھا کہ **ینصرک رجال نوحی الیھم من السَّمآء** (تذکرہ:۳۹) کہ تیری نصرت خدا کے ایسے مرد میدان بندے کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ خود وحی کے ذریعے اس بات پر آمادہ فرمائے گا۔ تو میں امید رکھتا ہوں کہ اس نئی صدی کے پہلے سال میں اس رؤیا کا دکھایا جانا محض کسی عارضی مفاد سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ آئندہ زمانے میں جماعت کی نصرت کا خیال قوموں میں لہر در لہر، موج در موج اٹھے گا اور مختلف ملکوں میں خدا تعالیٰ غیروں کے دل میں بھی جماعت کی تائید میں اٹھ کھڑے ہونے کے لئے ایک حرکت پیدا کرے گا ایک توجہ پیدا فرمائے گا اور کثرت کے ساتھ انشاء اللہ جماعت کو ایسے انصار ملیں گے جو جماعت سے نہ بھی تعلق رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی وحی کے

تابع (یعنی وحی بعض دفعہ خفی بھی ہوتی ہے ضروری نہیں کہ الہام کی شکل میں لفظوں میں وہ ظاہر ہو۔ مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے چلنے والی تحریکات کی روشنی میں) ان کے دل جماعت کی مدد کے لئے متوجہ ہوں گے۔

اس رؤیا کے بعد میں خصوصیت سے جماعت کو دعاؤں کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور یاد دلاتا ہوں کہ جب بھی وہ اپنے متعلق یا اپنے دوستوں کے متعلق یا جماعت کے متعلق کوئی فکر والی باتیں سنیں یا کوئی توہمات ان کے دلوں کو گھیر لیں تو اپنے نفس کا یہ پہلا محاسبہ کیا کریں کہ ان کا خیال کس طرف گیا تھا۔ مدد ڈھونڈنے کے لئے ان کو کوئی انسان یاد آیا تھا کوئی دنیاوی ذریعہ اختیار کرنے کی طرف توجہ مائل ہوئی تھی یا سب سے پہلے توجہ خدا کی طرف گئی تھی۔ موحد بندے کی شان یہ ہے کہ توجہ کا اولین مرکز خدا ہوتا ہے ورنہ یہ دنیا ایسی ہے کہ جس میں باتیں ایسی مل جل جاتی ہیں کہ توحید اور شرک کی تفریق آسان نہیں رہتی۔ خدا کے مومن بندے دعائیں بھی کرتے ہیں اور اسباب کو بھی اختیار کرتے ہیں اور بعض غیر بھی جو توحید کے اعلیٰ مقام پر فائز نہیں ہوتے وہ اسباب کو بھی اختیار کر لیتے ہیں اور دعاؤں کی طرف بھی متوجہ ہو جاتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان ایک فرق ہے اور وہ فرق اولیت کا ہے۔ مومن کا اول سہارا خدا تعالیٰ کی ذات ہے اور اس تعلق کے قیام کے لئے جو بندے اور خدا کے درمیان سہارے کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے دعا ذریعہ بنتی ہے۔ یعنی سہارا تو خدا تعالیٰ ہر ایک کا ہے ہی، لیکن اس خصوصی مدد کے لئے جو انسان کسی خاص مشکل کے وقت محسوس کرتا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے اور خدا سے مجھے ملنی چاہئے اس مدد کے لئے دعا ذریعہ بنا کرتی ہے۔ پس جب بھی آپ مدد چاہتے ہیں تو مدد کے لئے پیغام بھیجا کرتے ہیں۔ جب بھی آپ مدد مانگتے ہیں تو مدد کے لئے آواز دیا کرتے ہیں تو پہلی آواز خدا کی جانب اٹھنی چاہئے پہلا پیغام خدا کو بھیجا جانا چاہئے۔ اگر یہ ہے تو پھر آپ موحد بندے ہیں۔ پھر آپ اسباب کو اختیار کریں تو یہ شرک نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک عجز کا اظہار ہے اور خدا کی اس مالکیت کی عبادت کرنا ہے جو ہر چیز پر حاوی ہے۔ پس اس پہلو سے آپ کا ایمان یقیناً خالص بن جاتا ہے۔ آپ کی توحید کے اوپر ایک گواہی ٹھہرتی ہے جو ہر ضرورت کے وقت آپ کے دل سے اٹھ رہی ہوتی ہے اور خدا کے بعد سب سے بڑا گواہ انسان کا اپنا نفس ہی ہے۔ پس اس پہلو سے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے دعاؤں پر انحصار بڑھائیں اور سب سے زیادہ توکل دعا پر ہی رکھیں اور دعا کے ذریعے اولین رابطہ اپنے خدا سے کرنے کی عادت ڈالیں۔

آج کل جماعت کو تمام دنیا میں جو ضرورتیں درپیش ہیں اور نئے نئے رستے ترقیات کے کھل رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ نئے خطرات بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک بڑی عظیم عالمی جد و جہد کی کیفیت ہے، جس میں جماعت اس نئی صدی میں داخل ہوئی ہے اور روز بروز نئے میدان کھلتے رہیں گے اور نئے میدانوں میں ہمارے قدم آگے بڑھتے رہیں گے اس لئے ابھی سے دعاؤں کی عادت خود بھی ڈالیں اور **اپنے بچوں کو بھی دعاؤں کی اہمیت سمجھاتے رہیں اور دعائیں کرنے کے سلیقے سکھائیں**۔ اگلی نسل کو دعا پر قائم کرنا بہت ہی ضروری ہے ورنہ ہمارا اگلی نسلوں کے ساتھ سب سے زیادہ اہم پیوند کٹ جائے گا۔ سب سے زیادہ اہم پیوند جو ہم اپنی اگلی نسلوں کے ساتھ قائم کر سکتے ہیں وہ یہی دعا کرنے کا پیوند ہے۔ وہ پیوند جو دراصل تو خدا سے لگتا ہے لیکن ہمارا آپس کا تعلق دعا کرنے والی نسل کے طور پر قائم رہنا چاہئے اور ہماری ہر اگلی نسل اسی طرح دعا گو ہونی چاہئے۔ اسی طرح دعا پر توکل رکھنے والی اور یقین رکھنے والی ہونی چاہئے جیسے ہمیں ہونا چاہئے یا ہماری پہلی نسلیں تھیں۔ اس لئے **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو فیض ہے، اس کا خلاصہ کبھی بھی ہماری نظر سے اوجھل نہیں ہونا چاہئے۔ آپ کے تمام فیوض کا ملخص، آپ کے سارے فیض کا منبع اور روح اور اس کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ نے خود بھی دعاؤں کے گر سیکھے اور دعاؤں پر انحصار کیا اور جماعت احمدیہ کو بھی دعاؤں کے ذریعے ایک زندہ خدا کے ساتھ ایک ابدی زندہ تعلق رکھنے کا سلیقہ سکھا دیا۔** پس یہ اگلی نسل کا ہم پر حق ہے جس طرح ہم نے پچھلی نسلوں کا پھل کھایا اور ان سے یہ تربیت حاصل کی اور ان کے اس فیض کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا ایک حیرت انگیز اور عظیم الشان رشتہ قائم ہو گیا۔ اسی طرح اگلی نسلوں کا ہم پر بھی حق ہے۔ اپنے بچوں پر رحم کریں اور ان کو آغاز ہی سے دعائیں کرنی سکھائیں اور ان سے دعائیں کروائیں اور پھر دیکھیں کہ جب دعا کا پھل ان کو ملے گا تو ان کی کیفیت کیسے بدل جائے گی۔ غیر دنیا میں رہتے ہوئے معصوم بچوں کی حفاظت کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ تربیت کی آپ ہزار ترکیبیں کریں ان کو راہ راست پر رکھنے کے ہزار پاپڑ بیلیں مگر اس جیسا مؤثر اور کوئی ذریعہ نہیں کہ آپ ان کو دعا گو بچے بنا دیں خدا تعالیٰ سے ان کا ایک ذاتی تعلق قائم کروا دیں اور بچپن ہی سے وہ اپنی دعاؤں کا پھل کھانے لگ جائیں۔ پس یہ ایک دوسری نصیحت ہے کہ جہاں ہم جماعت کے لئے بھی دعائیں کرتے ہیں اور اپنے لئے بھی وہاں ہم **اپنی آنے والی نسلوں کو بھی دعا گو نسلیں بنائیں۔**

ایک رؤیا کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا۔ اس ضمن میں میں سمجھتا ہوں ایک دو اور رؤیا ہیں جن سے مجھے آپ کو مطلع کرنا چاہئے۔ کچھ عرصہ پہلے کی ہیں لیکن چونکہ خطبات جمعہ کا مضمون ایسا تھا کہ ان کے اندر وہ کہیں Fit نہیں بیٹھتے تھے یعنی ان کا براہ راست تعلق نہیں بن رہا تھا اس لئے آہستہ آہستہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اب چونکہ یہ مضمون چل پڑا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ان مبشر خوابوں سے، رؤیا سے جماعت کو مطلع کرنا چاہئے۔ ایک رؤیا میں میں نے دیکھا کہ جیسے سیاحوں کی بس ہوتی ہے ویسی ہی کسی بس میں میں اور میرے کچھ ساتھی سفر کرتے ہوئے ایک دریا کو عبور کرنے والے ہیں۔ اب یہ جو بس کی حالت کا سفر ہے یہ مجھے یاد نہیں لیکن یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ بس پل کے پاس آ کر نیچے اس کے دامن میں رک گئی ہے۔ اور کوئی وجہ ہے کہ وہ بس خود آگے نہیں بڑھ سکتی تو جیسے ایسے موقع پر مسافر اتر کر چہل قدمی شروع کر دیتے ہیں اس طرح اس بس سے میں اترا ہوں اور کچھ اور بھی مسافر اترے ہیں لیکن میرے ذہن میں اس وقت اور کوئی نہیں آ رہا۔ مگر یہ اچھی طرح یاد ہے کہ مبارک مصلح الدین صاحب (جو ہمارے واقف زندگی، تحریک جدید کے کارکن ہیں) وہ ساتھ ہیں اور جیسے انتظار میں اور کوئی شغل نہ ہو تو انسان کہتا ہے کہ چلیں اب نہا ہی لیتے ہیں۔ میں اور وہ ہم دونوں دریا میں چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ خیال ہے کہ ہم تھوڑا سا تیر کے واپس آ جائیں گے لیکن مبارک مصلح الدین مجھ سے تھوڑے سے دو ہاتھ آگے ہیں اور وہ مجھے کہتے ہیں کہ چلیں اب اسی طرح ہی دریا پار کرتے ہیں تو میرے ذہن میں یہ خیال ہے کہ دریا تو بھرپور بہہ رہا ہے۔ جیسے دریائے سندھ طغیانی کے وقت بہا کرتا ہے اگر چہ کناروں سے چھلکا نہیں لیکن لبالب ہے اور بہت ہی بھرپور اور قوت کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ پتا نہیں ہم یہ کر بھی سکیں گے کہ نہیں؟ تو مبارک مصلح الدین کہتے ہیں کہ نہیں ہم کر سکتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ٹھیک ہے پھر چلتے ہیں لیکن مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اگر چہ میں کوئی ایسا تیراک نہیں مگر اس وقت تیراکی کی غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی ہے اور چند ہاتھوں میں بڑے بڑے فاصلے طے ہونے لگتے ہیں یہاں تک کہ جب میں مڑ کے دیکھتا ہوں تو وہ پچھلا کنارہ بہت دور رہ جاتا ہے اور پھر دو چار ہاتھ لگانے سے ہی وہ باقی دریا بھی عبور ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ہم کنارے لگتے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر چہ مبارک مصلح الدین مجھے رؤیا میں اپنے آگے دکھائی دیتے ہیں مگر جب کنارے لگتا ہوں تو پہلے میں

لگتا ہوں پھر وہ لگتے ہیں اور اس طرح ہم دوسری طرف پہنچ جاتے ہیں اور پھر یہ جائزہ لے رہے ہیں کہ کس طرح یہاں سے باہر نکل کر دوسری طرف کنارے سے باہر کی عام دنیا میں ابھریں۔

یہ رؤیا یہاں ختم ہوگئی اور چونکہ یہ ایک ایسی رؤیا تھی جو عام طور پر دستور کے مطابق انسان کے ذہن میں آتی نہیں اس لئے رؤیا ختم ہونے کے بعد میرے ذہن پر یہ بڑا بھاری اثر تھا کہ یہ ایک واضح پیغام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی نئی منزل فتح کرنے کی خوشخبری دے رہا ہے اور اگر چہ ایک حصہ اس کا ابھی تک مجھ پر واضح نہیں ہوا کہ وہ ساتھی جو ہیں ان کو ہم کیوں پیچھے چھوڑ گئے ہیں اور ہم دو کیوں آگے نکل جاتے ہیں لیکن بہر حال ذہن پر یہ تأثر ضرور ہے کہ اس میں کوئی انذار نہیں تھا بلکہ خوشخبری تھی کہ دریا کی موجوں نے اگر چہ بس کو روک دیا ہے لیکن ہمارے سفر کی راہ میں وہ حائل نہیں ہوسکیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس رؤیا کو بھی جہاں تک میرا تأثر ہے اور یقین ہے کہ مبشر ہے توقع ہے بڑھ کر مبشر بنائے اور جماعت کے حق میں اس کی اچھی تعبیر ظاہر فرمائے۔

ایک اور رؤیا جو پچھلے دنوں دیکھی جس کے نتیجے میں میں نے ایک غزل کہی۔ غزل تو جماعت تک پہنچ چکی ہے لیکن اس کا پس منظر نہیں پہنچا اس لئے میں وہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ پچھلے دنوں ہم نے سوچا کہ دسمبر میں چونکہ ربوہ میں جلسہ نہیں ہوسکتا اس لئے کثرت کے ساتھ جماعتوں میں جلسے کئے جائیں اور اللہ کے فضل کے ساتھ جو رپورٹیں مل رہیں ہیں پاکستان میں بہت ہی بھرپور جلسے ہوئے ہیں اور دوستوں کے بڑے اطمینان کے بہت ہی خط Recieve ہو رہے ہیں کہ بڑی مدت کے بعد دل کی یہ خلش دور ہوئی اور جو اس جلسے میں لطف آیا ہے اگر چہ یہ سالانہ جلسہ نہیں تھا اور وہ ربوہ والی کیفیت نہیں تھی مگر چھوٹے پیمانے پر ہونے کے باوجود بہت ہی زیادہ ایمان افروز اور تسکین بخش تھا چونکہ میں عموماً جلسے کے موقع پر کوئی نظم پیش کیا کرتا ہوں میں نے ایک غزل بھجوائی تھی۔ جس کا عنوان تھا ''غزل آپ کے لئے'' وہ عام دستور سے کچھ ہٹی ہوئی ہے اور شاید سننے والوں نے تعجب بھی کیا ہو کہ مجھے یہ کیا سوجھی اس طرز پر غزل کہنے کی اور کیا مقصد ہے تو چونکہ ایک خواب کے نتیجے میں یہ کہی گئی تھی اس لئے میں وہ خواب آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔

میں نے رؤیا میں دیکھا کہ کوئی عزیز ہے وہ میرے لئے ایک مصرعہ پڑھتا ہے اور وہ مصرعہ خواب میں بالکل موزوں ہے یعنی باقاعدہ باوزن مصرعہ ہے لیکن اٹھنے کے بعد پورا یاد نہیں رہا۔ لیکن

آخری حصہ اس کا یاد رہا جس کے مطابق پھر یہ غزل کہی گئی۔ مضمون اس کا یہ تھا کہ لوگ آج کل کے زمانے میں ابتلاء کے زمانے میں ایسے ایسے اچھے شعر لکھ کر آپ کو بھجواتے رہتے ہیں نظمیں کہتے رہتے ہیں تو اجازت ہو تو ''میں بھی کہوں اک غزل آپ کے لئے''۔

''غزل آپ کے لئے'' کے لفظ بعینہٖ وہی ہیں جو رؤیا میں دیکھے گئے تھے اور یہ کہوں میں یا کیا الفاظ تھے اس کی تفصیل یاد نہیں رہی۔ چنانچہ اس ''آپ کے لئے'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو میں نے غزل کہی اس کے پہلے چند اشعار اور آخری دراصل نعتیہ ہیں۔ وہ میں نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہے ہیں اور بیچ کے چند اشعار دوسرے مضامین کے بھی ہیں۔ لیکن یہ میں سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ وہ میں اپنے متعلق نہیں کہہ رہا **نعوذ باللہ من ذالک**۔ میں نے خود اپنے متعلق تو وہ غزل نہیں کہنی تھی اگر چہ کسی اور کے خیال سے بعض دفعہ انسان اپنے متعلق بھی ایک آدھ شعر کہہ لیتا ہے کسی کی زبان میں کہ گویا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے یہ پیغام دو۔ ایسے بھی ایک دو شعر اس میں ہیں لیکن دراصل اس کے اکثر اشعار نعتیہ ہیں پہلے چند اور آخری خصوصیت کے ساتھ۔ تو یہ اس کا پس منظر ہے جو امید ہے معلوم ہونے کے بعد اس غزل کی طرز بھی سمجھ آجائے گی کہ کیا طرز ہے۔

ایک اور رؤیا جس میں انذار کا پہلو بھی تھا اور ایک خوشخبری کا رنگ بھی رکھتی تھی۔ وہ اگر چہ میں اپنے بعض دوستوں کے سامنے بیان کر چکا ہوں لیکن جماعت کے سامنے غالباً ابھی تک پیش نہیں کی۔ جب حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کا وصال ہوا ہے تو جس دن اس کی اطلاع ملی اس سے پہلی رات میں نے یہ رؤیا دیکھی کہ اقبال کی ایک مشہور غزل کے دو اشعار میں پڑھ رہا ہوں اور خاص اس میں درد کی ایک کیفیت ہے اور اقبال کی یہ وہ غزل ہے جو بچپن میں کالج کے زمانے میں مجھے بہت پسند تھی لیکن چونکہ مدت سے پڑھی نہیں، اس لئے خواب میں کوشش کر کر کے یاد کر کے وہ شعر پڑھتا ہوں اور پھر آخر یاد آجاتے ہیں اور وہ رواں ہو جاتے ہیں اور وہ شعر یہ تھے کہ

؎ تھا جنہیں ذوقِ تماشہ وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

تو بہت ہی دردناک اشعار ہیں اور جب آنکھ کھلی تو میرے دل پر بہت ہی اس بات کا گہرا اثر تھا اور غم کی کیفیت تھی کہ معلوم ہوتا ہے کہ سلسلے کے کوئی ایسے بزرگ جن کا خدا کے نزدیک ایک مرتبہ ہے رخصت ہونے والے ہیں جو انتظار کی راہ دیکھتے دیکھتے میرے جانے سے پہلے پہلے وصال پا جائیں گے۔ دوسرے صبح جب ملک سیف الرحمٰن صاحب کے وصال کی اطلاع ملی تو اس وقت لاہور کے دوست چوہدری حمید نصر اللہ صاحب اور ان کے ساتھ ایک دو اور دکلاء بھی تھے یہ ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان سے میں نے بیان کی اور میں نے کہا کہ میں نیک فال کے طور پر یعنی اگر چہ لفظ ''نیک فال'' کا اطلاق پوری طرح تو نہیں ہوتا مگر ان معنوں میں نیک فال کے طور پر کہ گویا انذار ٹل چکا ہے اور جو ہونا تھا ہو چکا ہے، اس خواب کے مضمون کو ملک سیف الرحمٰن صاحب کے وصال پر لگا رہا ہوں۔ اگر چہ وہ اس عرصے میں ملتے بھی رہے ہیں لیکن جس مرتبے کے انسان تھے، خواب میں جیسا میرے ذہن پر اثر تھا کہ اس مرتبے کا کوئی انسان رخصت ہونے والا ہے یہ ان پر صادق آتا ہے اور دوسرا یہ خیال تھا کہ ملک صاحب کی خواہش تو بہر حال یہی ہوگی کہ میں بھی ربوہ جاؤں اور پھر ربوہ میں واپسی ہو اور اس تقریب میں شمولیت ہو تو اس خیال سے اگر اس پر اطلاق ہو جائے تو کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔

آپ کو میں یہ رؤیا بتاتے ہوئے اس دعا کی تحریک کرتا ہوں کہ اللہ کرے کہ انذار کا پہلو یہاں تک ہی ٹل جائے اور جو دوسرا پہلو ہے واپسی کا، اس کے آثار جلد جلد ظاہر ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ ایسی حالت میں لے کے جائے کہ کم سے کم تکلیف کی خبریں ملیں۔ اب اس کے بعد خدا کرے یعنی میں تو دعا کے رنگ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بظاہر چیز ناممکن بھی ہو تو دعا کے ذریعے ممکن بن سکتی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اب اس کے بعد واپسی تک کوئی فوت نہ ہو۔ وفات کا جو سلسلہ ہے وہ تو جاری رہے گا لیکن دعا کرتے وقت یہ کہنے میں کیا حرج ہے کہ کوئی بھی نہ ہو، اس لحاظ سے میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ دعا کریں کہ کم سے کم لوگ، اگر فوت ہونا کسی کا مقدر بھی ہے تو کم سے کم لوگ اس عرصے میں وفات پائیں اور کم سے کم لوگوں کے متعلق پھر یہ دردناک مضمون صادق آئے کہ

تھا جنہیں ذوقِ تماشہ وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدہ دیدارِ عام آیا تو کیا